مضمون

اردو میں مختصر مضمون کی روایت کو انیسویں صدی کے دوران بہت ترقی ملی۔ مضمون نگاری نثر کی باضابطہ صنف نہیں ہے۔ بہت سے لکھنے والوں نے کسی خیال، تجربے، واردات کو مرتّب انداز میں اس طرح پیش کیا کہ اس سے خود بہ خود ایک شکل بن گئی اور مضمون کہلائی۔ سرسیّد اور ان کے معاصرین نے مضمون نگاری کو سماجی اصلاح کے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ سماجی موضوعات کے علاوہ علمی، ادبی، فلسفیانہ اور تہذیبی و معاشرتی موضوعات پر بھی مضامین لکھے گئے۔ حالی، شبلی، محمد حسین آزاد، نذیر احمد، میر ناصر علی، نیاز فتح پوری، رشید احمد صدیقی، مہدی افادی، سجّاد انصاری، خواجہ حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ، محفوظ علی بدایونی، ابوالکلام آزاد اور خواجہ غلام السیّدین وغیرہ اردو کے اہم مضمون نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

مختصر مضمون کی ہی ایک شکل انشائیہ بھی ہے۔ انشائیہ میں عام طور پر مزاح اور طنز یا خوش مزاجی کا رنگ ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار اکثر اپنے حوالے سے، یا اکثر اپنے ہی بارے میں باتیں کرتا ہے۔ اچھے انشائیوں میں تخلیقیت کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔

© NCERT not to be republished

شبلی نعمانی

(1914 — 1857)

شبلی اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے ۔انھوں نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور مولانا فاروق چریاکوٹی اوراس زمانے کے دوسرے ممتاز اہلِ علم سے فیض حاصل کیا۔1884 میں شبلی علی گڑھ آ گئے۔ یہاں انھیں تدریس کے ساتھ ساتھ پڑھنے لکھنے کا خوب موقع ملا۔سرسیّد کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کے باعث شبلی کے ذہن اور علم نے بہت ترقی کی اور وہ مسلمانوں کی قومی زندگی کے اہم مسائل سے روشناس ہوئے ۔انھوں نے روم وشام اور مصر کا سفر کیا۔ کچھ روز حیدرآباد کے دار الترجمہ میں بھی کام کیا۔ پھر لکھنؤ میں ندوۃ العلما سے وابستہ رہے۔ آخری عمر میں اپنے آبائی وطن اعظم گڑھ چلے گئے ۔یہاں انھوں نے دارالمصنفین قائم کیا جو شبلی اکیڈمی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

شبلی نے اُردو نثر ونظم کے مختلف شعبوں میں بہت وقیع خدمات انجام دی ہیں۔ تاریخ،فلسفہ، مذہبیات اور مختلف دینی ودنیوی علوم پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔وہ اُردو اور فارسی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔

فارسی زبان وادب کی مشہور تاریخ ''شعرالعجم'' ان کا کارنامہ ہے۔ اُردو سوانح اور سیرت نگاری میں بھی شبلی نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔اس میدان میں ان کی کتابیں سیرۃ النبی (جلد اول) سوانح مولانا روم، الغزالی، الفاروق اور النعمان بہت مشہور ہیں۔سوانح اور تاریخ کے علاوہ تنقید کے میدان میں شبلی نے بعض نئے کام کیے۔مثلاً ''موازنۂ انیس ودبیر'' اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں اردو شاعروں کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ شبلی کے تنقیدی شعور کی

© NCERT not to be republished

ترجمان ہے۔

شبلی کا اسلوب عالمانہ ہوتے ہوئے بھی بہت دل کش اور موثر ہے۔ ان کی نثر میں شگفتگی اور صلابت کے عناصر نمایاں ہیں۔

© NCERT not to be republished

سرسیّد مرحوم اور اُردو لٹریچر

سرسیّد کے جس قدر کارنامے ہیں، اگرچہ رفارمیشن اور اصلاح کی حیثیت ہر جگہ نظر آتی ہے، لیکن جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرّے سے آفتاب بن گئیں، اُن میں سے ایک اُردو لٹریچر بھی ہے۔ سرسیّد ہی کی بدولت اُردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرے سے نکل کر مُلکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر، وُسعت و جامعیت، سادگی اور صَفائی سے ادا کرسکتی ہے کہ خود اُس کی اُستاد یعنی فارسی زبان کو، آج تک یہ بات نصیب نہیں۔ مُلک میں آج بڑے بڑے انشا پرداز موجود ہیں جو اپنے اپنے مخصوص دائرۂ مضمون کے حُکمراں ہیں، لیکن اُن میں سے ایک شخص بھی نہیں جو سرسیّد کے بارِ احسان سے گردن اُٹھا سکتا ہو۔ بعض بالکل ان کے دامنِ تربیت میں پلے ہیں، بعضوں نے دور سے فیض اُٹھایا، بعض نے مدّعیانہ اپنا الگ راستہ نکالا ہے۔ تاہم سرسیّد کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کیوں کر رہ سکتے تھے؟

سرسیّد کی جس زمانے میں نشو ونما ہوئی، دلی میں اہلِ کمال کا مجمع تھا، اُمرا اور رؤسا سے لے کر ادنیٰ طبقے تک علمی ذوق پھیلا ہوا تھا۔ سرسیّد جس سوسائٹی کے ممبر تھے، اس کے بڑے بڑے ارکان مفتی صدر الدین خاں آزردہؔ، مرزا غالبؔ اور مولانا صہبائیؔ تھے۔ ان میں سے ہر شخص تصنیف و تالیف کا مالک تھا، اور انھیں بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا کہ سرسیّد نے ابتدا ہی میں جو مشغلۂ علمی اختیار کیا، وہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا۔

اوّل وہ رواجِ عام کے اقتضا سے شاعری کے میدان میں آئے۔ آہیؔ تخلص اختیار کیا اور اُردو میں ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی، جس کا ایک مصرع انھیں کی زبانی سنا ہوا مجھے یاد ہے۔

© NCERT not to be republished

نام میرا تھا، کام ان کا تھا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، اس لیے وہ بہت جلد اس کوچے سے نکل آئے اور نثر کی طرف توجہ کی۔ چوں کہ حقائق اور واقعات کی طرف ابتدا سے میلان تھا، اس لیے دلّی کی عمارتوں اور یادگاروں کی تحقیقات شروع کی اور نہایت محنت و کوشش سے اس کام کو انجام دے کر 1847ء میں ایک مبسوط کتاب لکھی جو آثار الصّنادید کے نام سے مشہور ہے۔

اس وقت اگر چہ سرسیّد کے سامنے اُردو نثر کے بعض عمدہ نمونے موجود تھے خصوصاً میر امّن کی، ''چہار درویش'' جو 1802ء میں تالیف ہوئی تھی، اور جس کی سادگی، صفائی اور واقعہ طرازی آج بھی موجودہ تصنیفات کی برابری کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ اس کے ساتھ مضمون جو اختیار کیا گیا تھا، یعنی عمارت اور آثار کی تاریخ، وہ تکلّف اور آورد سے اِبا کرتا تھا، تاہم ''آثارُ الصنادید'' میں اکثر بیدلؔ اور ظہوریؔ کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سرسیّد کی رات دن کی صحبت مولانا امام بخش صہبائیؔ سے رہتی تھی اور مولانائے موصوف بیدلؔ کے ایسے دل دادہ تھے کہ ان کا کلمہ پڑھتے تھے اور جو کچھ لکھتے، اُسی طرز میں لکھتے تھے۔ سرسیّد نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصّنادید کے بعض بعض مقامات بالکل امام بخش صہبائیؔ کے لکھے ہوئے ہیں، جو انھوں نے میری طرف سے اور میرے نام سے لکھ دیے تھے۔

''آثارالصّنادید'' جس زمانے میں نکلی اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد تقریباً 1850ء میں، دلّی کے مشہور شاعر مرزا غالبؔ نے اردو کی طرف توجہ کی یعنی مکاتبات وغیرہ اردو میں لکھنے شروع کیے اور چونکہ وہ جس طرف متوجہ ہوتے تھے اپنا کوچہ الگ نکال کر رہتے تھے، اس لیے انھوں نے تمام ہم عصروں کے برخلاف مکاتبہ کو مکالمہ کردیا۔ مکاتبات میں وہ بالکل اسی طرح ادائے مطلب کرتے تھے جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتیں کررہے ہوں۔ اس کے ساتھ بہت سے خطوط میں انسانی جذبات مثلاً رنج و غم، مسرت و خوشی، حسرت و بیکسی کو نہایت

© NCERT not to be republished

خوبی سے ادا کیا ہے۔ اکثر واقعات کو اس بے ساختگی سے ظاہر کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہیں کہ اردو انشا پردازی کا آج جو انداز ہے اور جس کے مجدّد اور امام سرسیّد مرحوم تھے، اس کا سنگِ بنیاد دراصل مرزا غالبؔ نے رکھا تھا۔ سرسیّد کو مرزا غالبؔ سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے۔ اس لیے کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ سرسیّد ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے۔

اسی زمانے میں ہندوستان کے ہر حصّے میں کثرت سے اُردو اخبارات جاری ہو گئے اور اُردو انشا پردازی کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی، تمدّنی، ملکی، مذہبی، تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا۔ اسی لیے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے۔ تاہم انشا پردازی کا کوئی خاص اسٹائل متعین نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جو کچھ تھا ابتدائی حالت میں تھا۔

1287ھ میں جس کو آج کم و بیش 27 برس ہوئے سرسیّد نے قوم کی حالت کی اصلاح کے لیے ''تہذیبُ الاخلاق'' کا پرچہ نکالا، اور اُردو انشا پردازی کو اُس رُتبے پر پہنچا دیا جس کے آگے اب ایک قدم بھی بڑھنا ممکن نہیں۔ سرسیّد نے اردو میں جو باتیں پیدا کیں اُس کو وہ مختصراً ''تہذیب الاخلاق'' میں خود ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ اُن کی عبارت یہ ہے:

''جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ رنگین عبارت سے، جو تشبیہات اور استعاراتِ خیالی سے بھری ہوتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لُطف ہو، مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے، تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔''

اس آرٹکل میں سرسیّد نے انشا پردازی کے اور بہت سے اصول بتائے ہیں جن کو اس موقع پر اختصار کی وجہ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

سرسیّد کی انشا پردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ

کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے اور جس مضمون کو لکھا ہے اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ناممکن ہے۔ فارسی اور اردو میں بڑے بڑے شعرا اور نثّار گزرے ہیں لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا۔ فردوسؔی بزم میں رہ جاتا ہے، سعدؔی رزم کے مردِ میدان نہیں، نظامؔی رزم و بزم دونوں کے استاد ہیں لیکن اخلاق کے کوچے سے آشنا نہیں، ظہورؔی صرف مدحیہ نثر لکھ سکتا ہے، برخلاف اِس کے سرسیّد نے اخلاق، معاشرت، پالیٹکس، مناظرِ قدرت وغیرہ سب پر لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے لاجواب لکھا ہے۔ مثال کے طور پر بعض بعض مضامین کے جستہ جستہ فقرے نقل کرتے ہیں:

''دیکھ نادان! بے بس بچّہ گہوارے میں سوتا ہے۔ اُس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے۔ اور اُس کے گہوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے؛ سورہ! میرے بچے! سورہ! اے اپنے باپ کی مورت! اور میرے دل کی ٹھنڈک، سورہ! اے میرے دل کی کونپل، سورہ! تجھ پر کبھی خزاں نہ آئے، تیری ٹہنی میں کبھی کوئی خار نہ پھوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آئے سورہ، میرے بچّے سورہ! میری آنکھوں کے نور، اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ! تیرا مُکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی۔ تیری شہرت، تیری لیاقت، تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا ہمارے دل کو تسلی دے گی۔ سورہ، میرے بچے سورہ! سورہ، میرے بالے سورہ!''

''یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں، جب کہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور امّاں امّاں کہنا سیکھا، اس کی پیاری آواز، ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی، آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتشِ محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اُس کو سروکار پڑا۔ رات کو ماں کے سامنے، دن کا پڑھا ہوا سبق غم زدہ دل سے سنانے لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ

کر، منھ ہاتھ دھوکر، اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہوگئیں۔ آہ! ہماری پیاری امید تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ ہے۔''

''وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے۔ کوچ پر کوچ کرتے تھک گیا ہے۔ لڑائی کے میدان میں جب کہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چُپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں، اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ہوتا ہے، دلوں میں ایک عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جُرأت ہوتی ہے اور جب کہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہوکر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے اور جب کہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے اور جب کہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا، زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوت بازو اور اے بہادروں کی ماں! تیرے ہی سبب سے فتح مندی کا خیال، اُس کے دل کو تقویت دیتا ہے۔ اُس کا کان نقارے میں سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہے۔''

تم دیکھ سکتے ہو کہ ان چند سطروں میں کس طرح نیچر کی تصویر کھینچی ہے اور اس میں کس قدر درد واثر پیدا کیا ہے۔

پالیٹکس کا راستہ اس سے بالکل الگ ہے۔ پنجاب میں جب یونیورسٹی قائم ہورہی تھی، جس میں اورینٹل تعلیم پر بہت زور دیا گیا تھا سرسیّد کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے پالیٹکس کی بنا پر ہم کو اعلیٰ تعلیم سے روکنا مقصود ہے۔ اُس وقت سرسیّد نے پے در پے تین آرٹکل لکھے۔ اُن تین آرٹکلوں نے یونیورسٹی کے بانیوں کو اس قدر گھبرا دیا، کہ خاص ان آرٹکلوں کے جواب میں سیکڑوں مضامین لکھے گئے۔ اور اُن کا مجموعہ یک جا کر کے ایک مستقل کتاب تیار کی۔ افسوس ہے کہ اختصار کی وجہ سے ہم اُن آرٹکلوں کا کوئی حصّہ نقل نہیں کر سکتے۔

سرسیّد نے انشاپردازی کی ترقّی کے جو طریقے ایجاد کیے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ

© NCERT not to be republished

بہت سے اعلیٰ درجے کے انگریزی مضامین کو اردو زبان کا قالب پہنایا لیکن ترجمے کے ذریعے سے نہیں، کیوں کہ یہ طریقہ اب تک بے سود ثابت ہوا ہے ، بلکہ اس طرح کہ انگریزی کے خیالات اردو میں، اردو کی خصوصیات کے ساتھ ادا کیے۔ امید کی خوشی کا مضمون جس کے ہم نے بعض فقرات اوپر نقل کیے، دراصل ایک انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں اڈیسن اور اسٹیل بڑے مضمون نگار گزرے ہیں، سرسیّد نے ان کے متعدد مضامین کو اپنی زبان میں ادا کیا ہے۔

سرسیّد کی انشا پردازی کا بڑا کمال اس موقع پر معلوم ہوتا ہے جب وہ کسی علمی مسئلے پر بحث کرتے ہیں۔ اُردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام میں نہیں لائی گئی، اس میں علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہیں، اس لیے اگر کسی علمی مسئلے کو اُردو میں لکھنا چاہو تو الفاظ مساعدت نہیں کرتے۔ لیکن سرسیّد نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس وضاحت، صفائی اور دل آویزی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا جانتا ہے کہ وہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہے۔

تہذیب الاخلاق جب بند ہوا تو سرسیّد نے خاتمہ پر جو مضمون لکھا ہے اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں:

''سوتوں کو جھنجوڑتے ہیں کہ جاگ اُٹھیں۔ اگر اُٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہو گیا اور اگر نیند میں اُٹھانے سے کچھ بڑبڑائے، کچھ جھنجھلائے ادھر ہاتھ جھٹک دیا، اُدھر پیر جھٹک دیا اور اینڈے پڑے سوتے رہے، تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اُٹھیں گے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس آخر درجے تک نوبت آ گئی ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہیے۔ بچّے اُٹھاتے وقت کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہم کو اُٹھائے جاؤ گے تو ہم اور پڑے رہیں گے، تم ٹھہر جاؤ، ہم آپ ہی اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ بچہ کڑوی دوا پیتے وقت منھ بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی! یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا! پی لے، پی لے، تم چپ رہو، میں آپ ہی پی لوں گا۔ لو بھائیو! اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اُٹھو پی لو، پی لو۔''

© NCERT not to be republished

حقیت یہ ہے کہ سرسیّد نے اردو انشا پردازی پر جو اثر ڈالا ہے، اس کی تفصیل کے لیے دو چار صفحے کافی نہیں ہو سکتے۔ یہ کام درحقیقت مولانا حالؔی کا ہے۔ وہ لکھیں گے اور خوب لکھیں گے، بلکہ یہ کہنا چاہیے لکھ چکے ہیں اور خوب لکھا ہوگا۔ میں کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا کہ اس وقت جب کہ تمام ملک میں سرسیّد کا آوازۂ ماتم گونج رہا ہے اور ہر شخص ان کے کارناموں کے سننے کا شائق ہے، کچھ نہ کچھ مختصر طور پر لکھنا چاہیے۔ میں نے اس کی تعمیل کی۔ ورنہ میں مولانا حالؔی کی مقبوضہ سرزمین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

مشق

لفظ و معنی

رِفارمیشن (Reformation)	:	اصلاح
لِٹریچر (Literature)	:	ادب
وسعت	:	پھیلاؤ، تفصیل
جامعیت	:	مکمّل، ہمہ جہتی
آثار	:	نشانیاں، باقیات
مُدعیانہ	:	دعویٰ کرتے ہوئے
فیض پذیری	:	فیض قبول کرنا
اِقتضا	:	تقاضا

© NCERT not to be republished

مبسوط : تفصیلی، ضخیم

آورد : لانا، یہ لفظ آمد کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لکھتے ہوئے کسی چیز کو بناوٹ کے طور پر لانا آورد کہلاتا ہے۔

اِبا کرنا : بچنا، چھوڑ دینا

دل دادہ : شوقین

مکاتبات : خطوط، مکاتب کی جمع

بے کسی : مجبوری

مُجدّد : نئے راستے دکھانے والا

تمدّنی : تہذیبی، سماجی

مُستفید : فائدہ اُٹھانا

آرٹکل (Article) : مضمون

قلم انداز کرنا : چھوڑ دینا

اِسٹائل (Style) : انداز، طریقہ، طرز

نثّار : نثر لکھنے والا

بزم : محفل

رزم : جنگ، لڑائی

جستہ جستہ : تھوڑا تھوڑا، کچھ کچھ

قالب : جسم، بدن

مُساعدت : ساتھ دینا، مدد کرنا

خصلت : مزاج، عادت

© NCERT not to be republished

تقویت	:	قوت، مضبوطی
پالیٹکس (Politics)	:	سیاست
اورینٹل (Oriental)	:	دیسی
دل آویزی	:	دل لبھانا، دل پسندی
مقبوضہ	:	قبضہ کی ہوئی

غور کرنے کی بات

- ''ذرّے سے آفتاب بن جانے'' کا مطلب ہے کسی معمولی چیز کو بہت ترقی حاصل ہونا۔
- ''مخصوص دائرۂ مضمون کے حکمراں'' ہونے کا مطلب ہے: لکھنے کے مخصوص میدان کے ماہر۔
- اس کتاب کا نام ''باغ و بہار'' ہے جو فارسی کے مشہور قصّے ''قصّۂ چہار درویش'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس لیے اس نام سے بھی مشہور ہے۔
- شبلی اِس مضمون میں جس بات کی طرف خاص طور سے ہماری توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک فرد جب پختہ ارادے اور خلوصِ نیّت سے کچھ کرنا چاہے تو پھر اُس کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہیں ہوسکتی۔ سرسیّد نے جب اُردو زبان وادب کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور اُسے سادگی کے ساتھ ساتھ وسعت و جامعیّت عطا کرنے کا کام شروع کیا تو دھیرے دھیرے اُردو کے شیدائیوں کا ایک ایسا گروہ اُن کے گِرد جمع ہوگیا جس نے اُردو ادب کے نئے علوم و اسالیب اور اصناف کا وہ

© NCERT not to be republished

خزانہ عطا کیا جس کی مثال اُس سے پہلے نہیں ملتی۔

- اس مضمون میں کئی فارسی شاعروں کے نام آئے ہیں جیسے بیدلؔ، ظہوریؔ، فردوسیؔ، سعدیؔ اور نظامیؔ وغیرہ۔
- مضمون کے آخر میں شبلیؔ نے لکھا ہے کہ مولانا حالیؔ سرسیّد کے بہت قریبی ساتھی تھے اس لیے اُن پر مضمون لکھنے کا حق انھیں کا ہے۔ شبلیؔ نے اس موضوع کو حالیؔ کی مقبوضہ سرزمین کہہ کر، شوخ انداز اختیار کیا ہے۔
- سرسیّد مرحوم نے کسی غیر ملکی زبان کے کسی ادبی تجربے کو اُردو میں منتقل کرنے کے لیے انگریزی کا براہِ راست ترجمہ کرنے کے بجائے اُن خیالات کو اپنی زبان کے مطابق منتقل کیا ہے۔

سوالات

1. شبلیؔ نے سرسیّد کی 1847 میں لکھی جس کتاب کا ذکر کیا ہے اُس کا نام اور موضوع لکھیے۔
2. سرسیّد کی انشا پردازی کا کیا کمال بتایا گیا ہے؟
3. انگریزی مضامین کو اُردو میں لکھنے کے لیے سرسیّد نے کیا طریقہ اختیار کیا؟
4. حالیؔ کی مقبوضہ سرزمین سے کیا مراد ہے؟

عملی کام

- انگریزی اخبار کی کسی رپورٹ کا ایسا ہی ترجمہ کیجیے جیسا اس سبق میں تجویز کیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

کہاوت

کسی بھی زبان کے ادب میں ضرب الامثال یا کہاوتوں کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ ان کہاوتوں کا تعلق ہماری زندگی کے روز مرّہ واقعات سے ہوتا ہے۔ یہ کہاوتیں یا ضرب الامثال علم ودانش کے خزانے ہیں۔ کہاوتیں کہاں سے آتی ہیں، انھیں کون تصنیف کرتا ہے، یہ بتانا مشکل ہے۔ کوئی فرد یا ادارہ کہاوتیں تصنیف نہیں کرتا۔ یہ کسی ایک سماجی یا تہذیبی واقعے کے زیرِ اثر خود بہ خود وجود میں آجاتی ہیں اور پھر ایک نسل سے دوسری نسل اور بعض اوقات ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچ جاتی ہیں۔

کہاوتوں کا تعلق عوام سے ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ ان کا استعمال کرنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ اَن پڑھ، شہری، دیہاتی، گھروں میں رہنے والی عورتیں، ملازمت پیشہ لوگ سبھی برجستہ طور پر کہاوتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ کہاوتوں کے بارے میں ایک مصنّف نے لکھا ہے کہ:

''کہاوت ایسے اقوال اور جملوں کو کہنا چاہیے جو کسی کتاب یا رسالے سے نہ لیے گئے ہوں۔ چوں کہ کہاوتوں کی تخلیق اور اُن کی نشوونما عام آدمی کے ذریعے ہوتی ہے، اس لیے عام آدمی انھیں برجستہ طور پر استعمال کرتے ہیں''۔

© NCERT not to be republished

شان الحق حقّی

(2005 — 1917)

شان الحق حقّی کا تعلق دہلی کے ایک قدیم اور ممتاز گھرانے سے تھا۔ اس خاندان نے ملک میں علم و فضل کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حقّی کے جدِّ اعلیٰ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی فارسی اور عربی کی تقریباً سولہ کتابوں کے مصنف تھے۔ اُن کے بیٹے مولانا نورالحق بھی اعلیٰ پایے کے مصنف تھے۔ مرزا غالبؔ کے ایک ممتاز شاگرد سیف الحق ادیب کا بھی اسی خاندان سے تعلق تھا۔ شان الحق حقّی کے والد بھی بڑے عالم تھے۔ قدیم اور جدید علوم پر اُن کی گہری نظر تھی۔ وہ شاعری کا بھی بہت اچھا مذاق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے 'دیوانِ حافظ' کا اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اُن کی دو کتابوں ''افسانۂ پدمنی'' اور ''مطالعۂ حافظ'' کو اپنے زمانے میں بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

فارسی اور اُردو پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اُنھیں ادب کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ وہ ادب اور زبان دونوں کا بہت ستھرا مذاق رکھتے تھے۔

حقّی صاحب کی ابتدائی تعلیم دہلی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی۔ اُنھوں نے مختلف اصنافِ ادب میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ شاعری، افسانہ، ڈراما، تنقید، تحقیق، ترجمہ نگاری اور لغت سازی اُن کی دلچسپی کے خاص میدان ہیں۔ انھوں نے بچوّں کے لیے بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ سنسکرت اور انگریزی سے ان کے بعض ترجموں کو بہت شہرت ملی۔ تھیسارس (مترادف الفاظ کی لغت) اور لغات کی ترتیب وتدوین کے میدان میں حقّی

© NCERT not to be republished

صاحب کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''نکتۂ راز'' اردو شعر و ادب کے کئی نامعلوم گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ حقی صاحب اردو کے ممتاز عالموں اور زبان دانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

ہماری کہاوتیں

یوں تو سارے جان دار اپنی بولیاں بولتے ہیں، لیکن بامعنی لفظوں میں بات کرنا انسان ہی کا حصہ ہے۔ اسی لیے انسان کو حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے۔ نطق کے معنی بولنا اور ناطق بولنے والا۔ انسان لفظوں اور جملوں سے بھی کام لیتا ہے۔ اشاروں کنایوں کا سہارا بھی لیتا ہے۔ اُنگلی، گردن یا سر کی جنبش، آنکھیں، تیور سبھی مطلب ادا کرنے میں کام آتے ہیں۔ آواز کا اتار چڑھاؤ بھی معنی رکھتا ہے۔ غرض بات کو ادا کرنے کے بہت سے ڈھب ہیں۔ جسمانی حرکت، اشارے، اچھل کود وغیرہ تو حیوان بھی کرتے ہیں، لفظوں میں بات کرنا آدمی ہی سے مخصوص ہے۔ بات کو موثر طریقے سے ادا کرنے کا ایک طریقہ کہاوت یا مَثَل کا استعمال بھی ہے جسے ضرب المثل کہتے ہیں۔

ان مثلوں یا کہاوتوں میں بڑے گُر کی باتیں، زندگی کے تجربات کا نچوڑ اور ایک طرح کی شاعری بھی ملتی ہے یعنی نازک یا لطیف بات۔

مثل کی جمع امثلہ بھی آتی ہے۔ جیسے سلاح (ہتھیار) کی جمع اسلحہ۔ اب اردو امثلہ کی کچھ مثالیں پڑھیے:

آنکھوں پر پلکوں کا بوجھ : جب کوئی احسان یا بھلائی یا سلوک کا شکریہ ادا کرے یا شرمندگی محسوس کرے تو اس کا دل رکھنے کے لیے کہتے ہیں جیسے تم تو ہمارے اپنے ہو۔ ہمارے ساتھ رہے تو کیا ہوا۔ آنکھوں پر بھی کہیں پلکوں کا بوجھ ہوتا ہے، یا آنکھوں پر پلکوں کا کیا بوجھ۔

آپ کاج مہا کاج : اپنا کام اپنے آپ ہی کرنا چاہیے۔ دوسرے کا محتاج نہیں ہونا

© NCERT not to be republished

چاہیے۔ نصیحت کے طور پر کہتے ہیں یا اپنا کام کرتے وقت دوسرے کو زحمت سے بچانے کے لیے۔ مہا کے معنی بڑا جیسے مہاراج، مہاپاپ۔

آگ پانی کا کیا میل : دو مختلف مزاج کے لوگ یا دو چیزیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ یوں بھی کہتے ہیں کہ آگ اور پھونس کا کیا میل۔ ایک جگہ آگ کے پانی سے بجھ جانے کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ پھونس کے آگ سے بھسم ہو جانے کا۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی : جھگڑے کی تہہ میں دیکھیے تو اکثر دونوں فریقوں کا کچھ نہ کچھ قصور نکلے گا۔ اگر کسی کی وقتی زیادتی کا جواب زیادتی سے نہ دیا جائے تو جھگڑا نہیں ہوسکتا۔

بھینس کے آگے بین بجانا : ناقدروں سے قدردانی کی توقع کرنا۔ نہ کہ سچ مچ بھینس کے آگے باجا لے کر بیٹھ جانا۔

پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں : ہر آدمی کی طبیعت، مذاق، مزاج، صلاحیت دوسرے سے قدرتی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے یا کسی ایک کی بُرائی یا کسی کو دیکھ کر پورے گروہ یا قوم کو ویسا ہی نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ یوں بھی کہتے ہیں کہ آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ انتر کے معنی مختلف کے ہیں۔

ٹھنڈا لوہا گرم لوہے کو کاٹتا ہے : لوہے کو ڈھالنے کے لیے پہلے اسے تپا کر پگھلایا یا نرم کیا جاتا ہے۔ پھر ٹھنڈے اوزاروں کے ذریعے سے کاٹا یا ڈھالا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ نرا جوشیلا پن نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچی ہوئی تدبیر کام آتی ہے۔ بعض لوگ ناحق طیش میں آکر نقصان اٹھا جاتے ہیں۔

کیا مرغا نہ ہوگا تو سویرا بھی نہ ہوگا : کسی بات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ مرغا صبح کو اذان دیتا ہے تو اس کو صبح کے ہونے کا سبب نہیں کہہ سکتے۔

چنے چابو یا نفیری بجالو : ایک وقت میں ایک کام ہی اچھی طرح انجام دیا جاسکتا ہے۔

© NCERT not to be republished

سوتا سوتے کو نہیں جگا سکتا : جو خود غافل یا بھٹکا ہوا ہو وہ دوسرے کو نہیں سُدھار سکتا۔

شیر کی پیٹھ پر کاٹھی کسنا: سرکش آدمی کو رام کرنے کی کوشش کرنا جس کا قابو میں آنا محال ہو۔

لکھتم کے آگے بکتم کیا چیز ہے: زبانی بات یا دعویٰ لکھی ہوئی بات کے سامنے اہمیت نہیں رکھتا۔ قرآن شریف میں بھی یہ ہدایات کی گئی ہیں کہ آپس میں کوئی معاہدہ کرو تو اسے لکھ لو اور جو لکھنا نہ جانتے ہوں وہ کسی سے لکھوالیں اور گواہ بنالیں تا کہ اختلاف یا جھگڑے کا امکان نہ رہے۔

سفیدی پر سیاہی چڑھنا: بات پکّی ہوجانا۔ کسی بات کا تحریر میں آجانا۔ بہادر شاہ ظفؔر کا شعر ہے:

کھلے گا خط کے لکھنے سے مرا حال اور بھیدی پر
سیاہی چڑھ گئی اے نامہ بر اب تو سفیدی پر

جب زبان زندگی میں ہر طرف سب کاموں کے لیے استعمال ہو تو خوب پھلتی پھولتی ہے۔ اپنی قوم کی ذہنی صلاحیتوں اور تجربات سے پورا فائدہ اٹھاتی اور ان کی عکاسی کرتی ہے، ورنہ ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ ہماری زبان کے الفاظ کا سرمایہ، محاورات اور کہاوتیں اس زمانے کی یادگار ہیں جب کہ یہ آزاد تھی۔ اس کے پر بندھے ہوئے نہیں تھے، جیسے کہ اب ہم نے اپنے اوپر انگریزی زبان کو مسلّط کرلیا ہے۔ انگریزی بڑی اہم زبان ہے۔ ضرور اچھی طرح سیکھنی چاہیے، لیکن یہ ہماری زبان نہیں بن سکتی۔ دیکھیے سرسیّد احمد خاں نے جو ہماری قوم میں جدید تعلیمی تحریک کے بانی تھے، اب سے سو برس پہلے کیا سچّی بات کہی تھی:

''انگریزی قوم نے جو اس قدر ترقی کی ہے وہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ تمام علوم وفنون اسی زبان میں ہیں جو وہ لوگ بولتے ہیں۔ اگر انگریزی زبان میں تمام علوم وفنون نہ ہوتے بلکہ لیٹن یا گریک میں یا فارسی عربی میں ہوتے تو تمام انگریز ایسے ہی جاہل اور بے علم

© NCERT not to be republished

اور ناخواندہ ہوتے جیسے کہ بدنصیبی سے ہم لوگ ہندوستانی ہیں اور آئندہ کو بھی جب تک کہ تمام علوم وفنون ہماری زبان میں نہ ہوں گے ہم جاہل اور نالائق ہی رہیں گے اور کبھی عام تربیت نہ ہوگی۔'' (تہذیب الاخلاق)

مشق

لفظ و معنی

ناطق : بولنے والا

کنایہ (کنایوں) : پوشیدہ بات، جب ہم کسی بات کو کھل کر نہیں کہنا چاہتے تو اصل لفظ کی جگہ اس کے لیے کنایوں کا استعمال کرتے ہیں۔

جنبش : حرکت

ڈَھب : طریقہ

لطیف : نرم، پاکیزہ

طیش : غصّہ

سرکش : مغرور، نافرمان

معاہدہ : سمجھوتہ

نامہ بر : خط پہنچانے والا، ڈاکیا

مسلّط : حاوی، چھایا ہوا

رام کرنا : فرماں بردار بنانا

ناخواندہ : اَن پڑھ

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

- بولنے کے لیے ہم لفظوں اور جملوں سے تو کام لیتے ہی ہیں۔ اس کے علاوہ اشاروں اور کنایوں کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ جسم کے مختلف حصّوں کی جنبش اور تیور بھی مطلب ادا کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ بات میں اثر پیدا کرنے کے لیے کہاوتیں اور مثلیں بھی ہمارا بہت ساتھ دیتی ہیں۔
- زبان کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زبان میں اتنی طاقت پیدا کریں کہ زیادہ تر علوم وفنون تک دوسری زبانوں کے ذریعے پہنچنے کے بجائے اپنی زبان کے ذریعے پہنچیں۔

سوالات

1. کہاوت یا مثل کسے کہتے ہیں؟
2. ''آپ کاج مہا کاج'' اس کہاوت کا مطلب اپنے لفظوں میں لکھیے۔
3. زبان کس طرح پھلتی پھولتی اور پھیلتی ہے؟
4. کہاوتیں اور محاورات کس زمانے کی یادگار ہیں؟
5. ''پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں'' اس کہاوت کا مطلب لکھیے۔

عملی کام

- ''بھینس کے آگے بین بجانا'' اس کہاوت کے مطابق اپنی زندگی کا کوئی واقعہ لکھیے۔

© NCERT not to be republished